

عہدِ وفا اور وفائے عہد

درسِ قرآن — خرم جاہ مراد

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله الكريم

آئیے ہم اپنے مطالعہ قرآن کا آغاز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے ساتھ کریں کہ ”جب لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں، اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کو باہم سمجھنے اور سمجھانے میں لگ جاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے آسمان تک ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ (مسلم) اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کا مستحق بنائے اور مطمئن کرے۔

میں بہت سوچتا ہوں کہ تحریک اسلامی کا یہ قافلہ اپنی زندگی کے چالیس قیمتی سال گزار چکا ہے، قرآن مجید کے کس حصے کو مطالعے کے لیے منتخب کروں؟ تو خیال آیا کہ قرآن مجید میں یہ تلاش کروں کہ اس میں ہمارا ذکر کہاں کیا گیا ہے؟ قرآن مجید اپنے بارے میں فرماتا ہے کہ ”فِيهِ ذِكْرُكُمْ“ اس میں تمہارا ذکر ہے۔ گویا اس میں جہاں ہمارے لیے یاد دہانی ہے وہاں اس میں ہمارا ذکر بھی موجود ہے اور ہمارے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اس قافلہ جانفروشن کے لیے قرآن میں اپنے ذکر کی تلاش کرنا اور اس سے رہنمائی پانا ناگزیر ہے۔

ہمارے اس قافلے نے اس عزم کے ساتھ سفر کا آغاز کیا تھا کہ ہم خدا کی زمین پر چلائے واحد کی حکمرانی قائم کریں گے۔ یعنی وہ عظیم کام جو اللہ کے رسول اور اس کے نبی انجام دیتے رہے ہیں۔ وہ کام ہم نے اپنے ذمے لیا تھا اور یہ اعلان کیا تھا کہ ہمارا یہ عہد کسی انسان یا جماعت سے نہیں ہے بلکہ خدائے

واحد و لاشریک سے ہے۔ ہم نے اللہ رب العالمین کو حاضر و ناظر جان کر وفائے عہد اور عہدِ وفا کی راہ پر قدم آگے بڑھایا تھا۔ چنانچہ اس پس منظر میں آپ سے آپ میری نظریں سورہ فتح کی ان آیات پر ٹھہر گئیں اور میرا دل اس انتخاب پر جم گیا۔ اب میں انہی آیات کی تلاوت دہتر جانی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ه تَتُومِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَتَعَزَّوهُ وَتُوقِرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ه إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ
إِنَّمَا يَبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ تَكَثَفَ قَاتَمَا يَكُتُ
عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَدْرَا فِي بَيْعِهِمْ عَلَيْهِ اللَّهُ فَلْيَتُوبْ إِلَيْهِ أَجْرًا عَظِيمًا

(الفتح - ۸-۱۰)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا، اور خبردار کر دینے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کا ساتھ دو، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ اے نبی جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب جو اس عہد کو توڑے گا اس کی عہد شکنی کا وبال اس کی اپنی ہی ذات پر ہوگا اور جو اس عہد کو وفا کرے گا جو اس نے اللہ سے کیا ہے، اللہ عنقریب اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

ان آیات میں ہمارے عہدِ وفا کا ذکر ہے۔ اس عہد کی حقیقت کتنی عظیم ہے اور اس عہد کے تقاضے کتنے نازک و گہراں باطن ہیں، پھر ان آیات میں راہِ وفائے عہد کے نقوش بھی دکھائے گئے ہیں اور طریق بھی واضح کیا گیا ہے اور یہ بات بھی کھول کر بیان کر دی گئی ہے کہ اس عہدِ وفا کو باندھنے والے پر کیا ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اور بے وفائی کا وبال کیا ہے اور وفا کا اجر کتنا عظیم۔ بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مخاطب پوری امت مسلمہ ہے اور خاص طور پر امت کا وہ گروہ مخاطب ہے جس نے اس بات کا عہد کیا ہو کہ وہ فریقہ رسالت کی ادائیگی اور کامیابی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر رہا ہے اور اس کی جماعتی زندگی صرف عہدِ وفا

کے شعور اور اس سے وابستگی اور وفائے عہد کی آرزو اور عزم کے محور پر قائم ہے۔ فرمایا:

”ہم نے تم کو گواہ بنا کر بھیجا ہے“
 اور بشارت دینے والا“
 ”آگاہ کر دینے والا اور ڈرانے والا“

الفاظ صرف تین ہیں ”شاہد، مبشر اور نذیر“ لیکن ان تین الفاظ میں فریضہ رسالت سے متعلق ساری ہی باتیں سمودی گئی ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ اس میں کام کی اہمیت بھی بیان ہو گئی ہے۔ پیغام کی اہم خصوصیات بھی آگئی ہیں۔ اور پیغام بری کے بعض اہم پہلو بھی واضح ہو گئے ہیں..... یہی فریضہ ہمارے اوپر عاید ہوتا ہے اور یہی تفصیلات بتاتی ہیں کہ کتنی نازک اور کٹھن ہے یہ ذمہ داری۔

لفظ ”شاہد“ یعنی ”شہادت دینے والا“ کے جو معانی و مضامین ہیں ان کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں کہ یہ لفظ صحیح و شام ہمارا وظیفہ کلام ہے، مختصر الفاظ میں شہادتِ حق ہی تو نام ہے اس ذمہ داری کا جو ہم نے اپنے اوپر لی ہے۔ لہذا صرف یہی ایک نگر بنیادی بات ذہن میں تازہ کر لینے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو نظام تجویز کیا ہے۔ اس کی اساس شہادتِ حق پر قائم ہے تاکہ اس کا رزاق حیات میں انسانوں کے سامنے حقِ قولی اور عملی صورت میں نمودار ہو کہ واضح ہو جائے۔ اسی کا انتظام فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد شہادتِ حق اور امتِ مسلمہ کو لازم و ملزوم قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

”وَكذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَ

يَكُوْنَتِ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا“ (۱۴۳)

”اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر

گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔“

گویا سارے انسانوں کی ہدایت کا فریضہ قیامت تک کے لیے امتِ مسلمہ کے سپرد ہے۔

”شاہد“ کے بعد ”مبشر“ بشارت دینے والا“ اور ”نذیر“ آگاہ کرنے والا“ ڈرانے والا

کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ فریضہ رسالت کے یہ دونوں پہلو بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنا کہ اولین پہلو۔

ظاہر ہے کہ "شہادت" مجرد ذاتی قول کا نام نہیں ہے۔ شہادت تو وہ عمل اور دعوتِ عمل ہے جو دونوں میں ایک متعین منزل پر پہنچ جانے کی اُمنگ اور آرزو پیدا کرے، یہ ذوق اور احساس پیدا کرے کہ اگر اس نمونے کی پیروی کی تو آخری اور آبدی نجات سے فیض یاب ہوں گے۔ عمل اور دعوتِ عمل کی اسی لگن کو قولِ سدید اور عملِ صالح کہا گیا ہے جس کے بدلے میں تابناک مستقبل اور اجر و انعام محفوظ کیے گئے ہیں۔ مستقبل کی اُمیدیں اور ایسی تمنائیں جو یقین سے معمور ہیں، دلوں میں آرزو اور عزم کی شمعیں روشن کرتی ہیں۔ بشارت کے بغیر شہادت محض ایک علمی و عملی کام تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ دلوں میں پھل پیدا نہیں کر سکتی۔ اسی طرح قلوب کی اکساہٹ کے لیے انذار ضروری ہے۔ انسان اُمید اور خوف کے سہارے بڑی بڑی منزلیں مار لیتا ہے۔ انذار میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انسان پر نجی زندگی اور معاشرہ کی خرابیاں واضح کر دی جائیں اور ان کے عواقب سے وہ آگاہ ہو جائے۔ ایسے عواقب جو دنیا سے لے کر آخرت تک محیط ہیں۔ یعنی اُسے معلوم ہو جائے کہ اس کے اپنے نفس، اپنی جماعت اور اپنے معاشرے میں کون کون سی خامیاں اور خرابیاں ہیں کہ جو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خطرناک اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔ گویا انذار سے جہاں ایک طرف اجتماعیت، نفس اور معاشرہ کی عکاسی ہوتی ہے وہاں دوسری جانب دل کی کشتی خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کا لنگر ڈال کر اپنے نفس کا جائزہ لینے کے لیے ٹھہر جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں انذار عملِ صالح کی دوسری بنیاد بن جاتا ہے، لہذا ہمارے نفس میں اُمید اور خوف کو رچ بس جانا چاہیے۔ اور ہماری دعوت کو بھی ان دونوں پہلوؤں سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

اگے فرمایا:

”لَتَسْمَعُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتَعَزَّوْا وَتُؤْتُوا“

”تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی

توقیر کرو۔“

ایمان لانے کا بیان صرف شہادت اور تبشیر و انداز کے نتیجہ کے طور پر نہیں بلکہ اس میں دعوت اور پکار موجود ہے اور ایمان اور فریضہ رسالت کی ادائیگی کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم اور مربوط کر دیا گیا ہے۔

— یہ دعوت کس کے لیے ہے؟

کسی نے کہا ”یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لیے ہے“

کچھ نے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل سمجھا ہے۔

ہمارے نزدیک ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے اس لیے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دیتا ہے اس پر خود بھی اسی طرح ایمان لانا ہے جس طرح اُمت سے ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے فرمایا:

”۴۰۲ الرَّسُولُ مِمَّا آتَزَلَّ إِلَيْهِ مِنْ سَيِّئِهِ وَالْمُؤْمِنُونَ“ (البقرہ-۲۸۵)

”رسول بھی اپنے اُوپر نازل شدہ اپنے رب کی وحی پر ایمان لایا اور اس کے

ماننے والے بھی“

آیت مذکورہ بالا میں ایمان کے فوراً بعد دُعا اور توفیق کا ذکر فرمایا ہے، یا اسے یوں کہیے کہ ایمان کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے، بالفاظ دیگر شجرِ ایمان کے سب سے اہم برگ و بار دکھا دیئے گئے ہیں یا ایمان کے فوری اور لازمی تقاضے اور مطالبات کا ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن مدد کس کی؟ اللہ تعالیٰ کی؟ — رسول کی؟ — یا دونوں کی؟

اس جملہ میں لفظ ”اس“ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ علماء نے بہت سی باتیں کہی ہیں اس مقام کی نحوئی اور علمی نزاکتیں بہت ہو سکتی ہیں مگر ایسے مقامات پر ایک مومن کا معیارِ مطلوب کچھ اور ہی ہے کہ وہ معنوی اور علمی نزاکتوں کے جھمیلوں میں پڑنے کے بجائے یہ دیکھے کہ دعوت و پیغام کیا ہے؟ عمل کون سا مطلوب ہے؟ ضمیر کا مرجع جو بھی ہو یہ بہر حال واضح ہے کہ یہاں محض اللہ تعالیٰ اور رسول کی ذات مراد نہیں ہے بلکہ ایمان و عمل سے عہدِ وفا باندھنے والوں کی مدد اور توفیق مراد ہے۔

بات واضح ہو جائے گی اگر ہم یہ دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں نصرت کی دعوت دی ہے

مختلف انداز میں دی ہے۔ بعض مقامات پر دعوت کو خاص اپنے ساتھ مخصوص کیا اور پکار بلند فرمائی:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ“ (الصف: ۱۴)

”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے مددگار بن جاؤ“

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ اللہ کی مدد بندہ کس طرح کرے مگر جو محبت اور وفا کی راہوں سے آشنا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ مسئلہ شرک کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس بات کی دعوت ہے کہ آدمی پوری سزائے ایمانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ پھر کہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ جوڑ کر ذکر کیا ہے۔

”وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَتَصَدَّقُ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ“ (الحديد)

”تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولؐ کی مدد

کرنا ہے“

اور کہیں اعانت و مدد کا یہ تذکرہ صرف رسولوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے:

”وَأَمَّا مَن تَدْرُسُوهُمُ وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُوهُمْ قَرْضًا

حَسَنًا“ (المائدہ: ۱۲)

”اگر تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی مدد کی اور اپنے خدا کو

اچھا قرض دیتے رہے“

چنانچہ ہم اس بحث سے ہٹ کر یہاں اللہ کی مدد اور توقیر مراد ہے یا رسولؐ کی، صاف صاف پیغامِ قرآن پڑھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور اللہ کے دین کی مدد کرنا ایک ہی چیز ہے جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور ہر نقش جو اللہ کے رسولؐ نے چھوڑا اس پر چلنا اللہ کی محبت ہے۔

تو ہر وہ نقش جو نبی رحمتؐ نے چھوڑا، خواہ وہ طائف کی وادیوں میں چھوڑا ہو یا مکہ کی کلیوں میں، یا بدر و حنین کے میدانوں میں نقش کیا ہو، ان تمام نقوش پر چلنے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ دونوں کی مدد اور توقیر شامل ہے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہاں مدد کا مطالبہ کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جس ایمان کی دعوت دی جا رہی ہے وہ روایتی اعلانِ ایمان نہیں ہے کہ جو چند الفاظ کے اظہار کے ساتھ زبان سے ادا ہوتا ہے بلکہ یہاں تو وہ ایمان مراد ہے کہ جو:

ایک معاہدہ ہے عمل ہے۔

معاہدہ ہے نصرت کا۔

معاہدہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا۔

معاہدہ ہے رسولؐ کی پیشوائی میں کٹ مرنے کا۔

اسی معاہدہ کو پورا کرنے کے لیے قافلہٴ راہِ حق میں شمولیت اختیار کرنا ہے اور کلمہٴ شہادت ادا کرنا ہے۔ اس کلمے کی ادائیگی ہی اس بات کی علامت ہے کہ بندے نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے اپنے عہد کو پختہ کر لیا ہے۔

چنانچہ دیکھئے ایک جگہ فرمایا گیا کہ

”یہ بدوی لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں۔ ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا“ (الحجرات - ۱۴)

آگے فرمایا:

”مومن تو دراصل وہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ پھر کسی شک اور ہچکچاہٹ میں مبتلا نہ ہوئے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مال سے جہاد کیا۔“

”وَجِبَانًا مَّوَدَّاءٍ، أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَكَانُوا عَلَىٰ نَفْسِهِمْ طَائِعِينَ“ (الحجرات - ۱۵)

”اور انہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔“

مومن وہ ہیں جو ایمان لائیں۔ اس پیرایہ بیان میں جو کچھ پوشیدہ ہے یہ بیان کر کے یہ بات سمجھ دی گئی ہے کہ جس ایمان کی تہ میں شک و تذبذب کا شائبہ تک نہ ہو اور جان و مال کے

جہاد سے گریز نہ ہو وہی ایمان دراصل سچا ایمان ہے۔

یاد رکھیے ایمان محض چند الفاظ کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان اس معاہدہ کا نام ہے جس کے تحت ہم نے اپنا وقت، اپنی جان، اپنا مال غرضیکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور وہ اس معاہدہ کے بدلہ میں جنت کی ایسی نعمتیں عطا کرنے والا ہے جن کو انسان نے نہ دیکھا، نہ سنا اور نہ کبھی سوچا۔

”إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَارِهِمْ لِيُقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُوا وَيُقْتَلُوا هَٰذَا وَعَدَاةٌ عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوَسُّعِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِيَعْيِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ“ (التوبة: ۱۱۱)

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، مارے ہیں اور مرتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ایک نچتہ وعدہ ہے توراہ اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو۔ پس خوشیاں منانا اپنے اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکا لیا ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“

بے شک اپنے رب سے یہ سودا چکانے والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

(باقی)